© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

کسی بات کے جواب میں دو قسم کے طرزِ عمل تو آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں، ایک ان لوگوں کا طرزِ عمل جو اسکو صاف طور پر رد کردیں، دوسرا اُن لوگوں کا جو اسے سیدھی طرح قبول کرلیں، لیکن ان دونوں کے درمیان ایک اور طرزِ عمل ہے جسکو سمجھنا اور جس سے عہدہ برآ ہونا سخت مشکل ہوتا ہے، اور وہ ان لوگوں کا طرزِ عمل ہے جو اُس بات کے حق ہونے سے انکار بھی نہیں کرتے اور پھر اسکو قبول کرنیکے لیے تیار بھی نہیں ہوتے۔ یہ حضرات عموماً اس طرح کلام کی ابتدا کرتے ہیں کہ "تم جو کہتے ہو حق تو وہی ہے مگر . . . "۔ اور یہ مگر اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اُس پورے حق کو نگل جاتا ہے جس کا اعتراف پہلے فقرے میں کیا گیا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ حاضر کے ساتھ ان لوگوں کی وابستگی، اور عاجلہ سے ان کی دلچسپی اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ یہ کسی طرح اس سے اپنا تعلق توڑ نہیں سکتے۔ جو کچھ اب تک کرتے رہے ہیں وہی کیے جانا چاہتے ہیں۔ لیکن عقل اور ضمیر کی گواہی سے بالکل انکار کردینے کی جرأت بھی ان میں نہیں ہوتی۔ جب حق بالکل بے نقاب ہو کر سامنے ہی آن کھڑا ہو تو بھلا جانتے بوجھتے یہ برملا کیسے کہہ دیں کہ یہ حق نہیں ہے۔ لہذا بچاؤ کی صورت انہیں بس یہی نظر آتی ہے کہ ایک طرف حق کا اعتراف کرلیں اور دوسری طرف اُس سے گریز کرنے کے لیے دلائل و شواہد کے لشکر کے لشکر جمع کرنے کی کوشش کریں تاکہ حق کے خلاف چلنے میں ان کو برسرِ حق مان لیا جائے۔ کس قدر عجیب ہے یہ مقام! ایسے ہی لوگوں کو خطاب کرکے قرآن نے کہا تھا کہ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے"۔ اللہ کے بندو! جب تم خود مانتے ہو کہ حق یہ ہے تو اسے چھوڑ کر جس چیز پر بھی تم چلو گے وہ باطل ہی ہو گی۔

پچھلے دنوں جن کثیر التعداد لوگوں سے بالمشافہ یا بالمراسلہ تبادلۂ خیال کا اتفاق ہوا اُن میں بعض اصحاب پہلی قسم کے تھے جنہوں نے بلا پس و پیش، یا بہت تھوڑی گفتگو کے بعد حق کو حق اور ضلال کو ضلال تسلیم کر لیا اور غلط راستوں کو چھوڑ کر راہِ راست پر چلنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ ان سے کچھ کم تعداد میں دوسری قسم کے آدمی ملے جنہوں نے صاف طور پر کہدیا کہ یہ حق نہیں ہے، یا یہ کہ ہم اسکی تائید نہیں کر سکتے۔ لیکن مراسلہ نگاروں میں بھی اور بالمشافہ گفتگو کرنے والوں میں بھی بکثرت لوگ وہ نکلے جو قسم ثالث سے تعلق رکھتے تھے۔ ان سب میں اتنی بات تو مشترک ہے کہ ایک سانس میں جس چیز کو صحیح تسلیم کرتے ہیں دوسرے سانس میں اسی کی تردید شروع کر دیتے ہیں، مگر اس کے بعد ہر ایک کا انداز گریز جدا ہے اور ہر ایک کے دلائلِ گریز مختلف۔ سچ یہ ہے کہ پہلے اس بات کا پورا اندازہ نہ تھا ہی نہیں کہ حق سے بھاگنے کے راستے اتنے بے شمار ہیں۔ اور کمال یہ ہے کہ اکثر حضرات نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ خود اپنے راہ حق سے فرار کو عین حق ثابت کرتے، بلکہ اسکی بھی کوشش کی کہ جو کم بخت صحیح اور غلط کو صاف الگ الگ دیکھ رہا ہے وہ بھی اپنی آنکھیں بند کرے اور اندھوں کی ٹولی میں آشامل ہو، جو غریب صراطِ مستقیم پر چلنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ بھی کسی طرح بہکے اور انہی پگ ڈنڈیوں پر چل پڑے جن میں وہ خود بھٹک رہے ہیں۔ اسلام کا درد بھی دل میں بہت ہے! یہ بھی چاہتے ہیں کہ اللہ کا بول بالا ہو۔ یہ بھی مانتے ہیں کہ اسلامی تحریک کا اصل راستہ وہی ہے جو ان صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے اسی ڈھنگ پر کام کیا ہے۔ مگر اللہ کے بندے ہزاروں قسم کی دنیوی و غیر دینی مصلحتوں کو حجت بنا کر نہ صرف آپ شاہراہِ مستقیم سے روگردانی کرتے ہیں بلکہ اس کا اہتمام بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ کوئی اس پر چلنے نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پائے۔ ایسی ہی کچھ صورت ہو گی جب اہل کتاب سے کہا گیا ہو گا کہ یٰاَھْلَ الْکِتَابِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَھَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُھَدَاءُ۔

عجیب تربات جو مشاہدہ میں آئی وہ یہ ہے کہ دینِ حق کا صحیح مفہوم اور اسے قائم کرنے کا انبیائی طریق کار جب اُن لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا جنکو کمیونسٹ، دہریہ اور ملحد کہا جاتا ہے تو اُس نے ان میں سے بہتوں کو اپیل کیا اور اِس کے مقابلہ میں اُنکے تمام ہتھیار کند ہو گئے۔ حتی کہ ذی فہم غیر مسلموں تک کو ہم نے دیکھا کہ یہ چیز جب انکے آگے رکھی گئی تو وہ اپنے ان تمام تصورات پر نظر ثانی کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے جو اسلام اور مسلم کے متعلق اُنکے ذہن میں جاگزیں تھے۔ لیکن اس چیز کے لیے دِلوں کے دروازے اگر کہیں بند پائے گئے تو صرف اس جگہ جہاں رات دن دین وملت، دین وملت کی تسبیح پڑھی جاتی ہے۔ یہ ماجرا دیکھ کر پہلے تو حیرت ہوئی، مگر جب غور کیا تو اسکی وجہ یہ سمجھ میں آئی کہ اس وقت دراصل اسلام کے حقیقی مقتضیات، اور مسلمانوں کے دنیوی مفاد اور تاریخی تعصبات کے درمیان پورا تعارض واقع ہو چکا ہے۔ اسلام بحیثیت ایک اصولی تحریک کے ایک راستہ کا تقاضا کرتا ہے اور مسلمانوں کے دنیوی مفاد اور تاریخی تعصبات ایک دوسرا طرزِ عمل چاہتے ہیں۔ یہ دونوں متضاد چیزیں اُس وقت تک غلط ملط رہتی ہیں جب تک اسلام کو اسکی اصلی اور اصولی نوعیت میں برسرِ کار نہیں لایا جاتا، کیونکہ اس صورت میں لوگوں کے لیے یہ موقع رہتا ہے کہ سارا کام تو اُس طرز پر کرتے رہیں جو انکے قوم پرستانہ مقاصد اور تعصبات کے لیے موزوں ہے اور دین وملت کے نام کو صرف اس لیے استعمال کریں کہ جذبات کو حرکت میں لانے اور مفادِ قومی کے گرد "جمعیت اسلامیہ" کو مجتمع کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ مگر جب اسلام کو ایک تحریک کی حیثیت سے سامنے لے آیا جائے اور صاف صاف بتا دیا جائے کہ اس تحریک کا فطری اور منطقی راستہ کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفہیمات

بعض معرکۃ الآرا مسائلِ اسلامی کی تشریح و توضیح

یہ کتاب مؤلف کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جن میں اسلام کے ان مہمات مسائل کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے جن کے متعلق آج کل عموماً لوگوں میں غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ مثلاً توحید، ہدایت و ضلالت، عبادت، جہاد، آزادی، رواداری، قومیت اسلامی، عقیدۂ توحید کے ساتھ ایمان بالرسالت کا ضروری ہونا، رسول کی صحیح حیثیت، رسالت محمدی کا ثبوت عقلی، شریعت اسلامی میں حدیث کی اہمیت قرآن اور حدیث کا باہمی تعلق، منکرینِ حدیث کے شبہات کا ازالہ وغیرہ۔

حصہ دوم زیر طبع ہے اور وہ بھی ایسے ہی اہم مسائل پر مشتمل ہے۔

قیمت حصہ اول بیجلد ایکروپیہ آٹھ آنے قیمت مجلد دو روپیہ علاوہ محصولڈاک

تنقیحات

تنقیحات یہ مولف کے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جنمیں اسلام اور مغربی تہذیب کے تصادم اور اس سے پیدا شدہ مسائل پر تنقیدی اور تعمیری دونوں حیثیتوں سے بحث کی گئی ہے۔ مسلمانوں کی زندگی پر جن جن پہلوؤں سے مغربی تہذیب و تمدن اور مغربی تعلیم نے اثر ڈالا ہے۔ قریب قریب اِن سب پر ان مضامین میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور اِن اُلجھنوں کو صاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو مغرب سے مرعوب اور اسلام سے ناواقف ہونے کی بدولت عموماً مسلمانوں کے ذہن میں پیدا ہو گئی ہیں۔

ضخامت ۲۴۰ صفحات قیمت غیر مجلد -/۴/۱ مجلد -/۸/۱ محصولڈاک -/۴/-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بجا لانا سب سے پہلے ضروری ہے۔ اس کے حل سے استفادہ کرنے کے لیے کوئی شخص اسکی جماعت میں تبدیل مذہب کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کیسے امید کی جاسکتی ہے کہ لوگ اسلام کو اُس آسانی کے ساتھ قبول کر سکینگے جیسکے ساتھ وہ دوسری تحریکوں کو قبول کرتے ہیں؟

یہ شبہ بہت لوگوں کے دلوں میں ہے اور بظاہر بڑا قوی نظر آتا ہے۔ مگر فی الحقیقت نہایت کمزور ہے اور میں اس کو کوئی وزن نہیں دیتا۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی اجتماعی نظریہ اور مسلک بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے کچھ اعتقادات نہ رکھتا ہو اور جسکا ایک مخصوص فلسفہ نہ ہو۔ چند امور مابعد الطبیعت (Metaphysical problems) ایسے ہیں جنکے متعلق سلبی یا ایجابی حیثیت سے ایک نہ ایک رائے قائم کرنا بہرحال ہر اس مسلک کے لیے ناگزیر ہے جو انسان کے لیے ایک لائحۂ زندگی بناتا ہو۔ یہ سوالات کہ کائنات کا یہ نظام کس نوعیت کا ہے؟ اور اس نظام میں انسان کی کیا حیثیت ہے؟ اور انسان کی زندگی کا مآل کیا ہے؟ اور یہ کہ دنیا میں سب کچھ تو انسان کے لیے ہے مگر انسان خود کس لیے ہے؟ یہ دراصل زندگی کے بنیادی سوالات ہیں جن کا ایک قابلِ عمل حل (Workable Solution) پیش کیے بغیر کوئی ذہنی، اخلاقی، تعلیمی اور تمدنی نظام بنایا ہی نہیں جاسکتا۔ اور کسی نظام کے بھی محض عملی پہلوؤں کو لے کر آدمی کام نہیں کر سکتا جب تک کہ ساتھ ساتھ اسکے بنیادی فلسفہ، یا بالفاظ دیگر اسکے اعتقادات کو بھی قبول نہ کرلے۔ پس ایک اعتقادی نظام ہونا تنہا اسلام ہی کی کوئی انوکھی خصوصیت نہیں ہے۔ اس جہت سے اگر اسلام کی راہ میں کوئی مشکل حائل ہے تو ایسی مشکل ہر اجتماعی مسلک کی راہ میں حائل ہے۔ ہر اجتماعی مسلک فی الواقع ایک مذہب ہی ہے اور جو بھی اسکی پیروی اختیار کرتا ہے وہ حقیقت میں ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرتا ہے خواہ اپنی سادہ لوحی کی بنا پر یہ کہتا اور سمجھتا رہے کہ بدستور اپنے پہلے مذہب پر ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ایک سیدھی سی مثال سے اس نکتہ کی مزید توضیح کرونگا۔ یہ کمیونزم آپکے سامنے ہے۔ اسی کو مثال میں لے لیجیے۔ اگر اسلام اس مابعد الطبیعی نظریہ سے اپنے مسلک کی ابتدا کرتا ہے کہ خدا ہے، تو کمیونزم اس نظریہ سے چلتا ہے کہ خدا نہیں ہے' یا کم از کم یہ کہ اس کا وجود و عدم وجود ہمارے لیے خارج از بحث ہے۔ اگر اسلام یہ نقطۂ نظر اختیار کرتا ہے کہ یہ دنیا خدا کی سلطنت ہے اور انسان یہاں اُس کا تابع امر ہے تو کمیونزم یہ نقطۂ نظر اختیار کرتا ہے کہ دنیا ایک اتفاقی بساط ہے اور انسان یہاں مطلقاً خود مختار (Independent) ہے اگر اسلام یہ پہلو لیتا ہے کہ انسان کو یہاں کام کرنے کے لیے خدا کی ہدایت درکار ہے اور وہ وحی کے ذریعہ سے آتی ہے تو کمیونزم یہ پہلو لیتا ہے کہ کوئی ہدایت درکار نہیں ہے اور وحی نہیں آتی۔ اگر اسلام اس مقام سے سلوک کا آغاز کرتا ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے جس میں انسان کو اپنی موجودہ زندگی کے پورے کارنامے کا حساب دینا ہے تو کمیونزم اس مقام سے چلتا ہے کہ جو کچھ ہے یہی زندگی ہے اور بعد میں نہ زندگی ہے نہ حساب کتاب۔ کیا یہ دونوں یکساں مابعد الطبیعی نظریے نہیں ہیں؟ پھر اگر سائنٹفک ثبوت کے بغیر محض استدلال اور قلبی شہادت کی بنا پر بہت سے وہ لوگ جو کل تک کمیونسٹ نہ تھے، آج کمیونزم کے نقطۂ نظر کو قبول کر سکتے ہیں تو آخر انہی دو بنیادوں پر بہت سے وہ لوگ جو آج مسلم نہیں ہیں، کل اسلام کا نقطۂ نظر کیوں قبول نہیں کر سکتے؟

اسی طرح ایک ہادی پر ایمان لانے کا معاملہ بھی دونوں میں مشترک ہے۔ اگر مسلم ہونے کے لیے محمدؐ رسول اللہ پر ایمان لانا پڑتا ہے تو کمیونسٹ بھی آخر مارکس پر ایمان لاتا ہی ہے۔ پھر اگر ایک شخص جو کل تک مارکسی نہ تھا، آج مارکس کی تعلیمات کو دیکھ کر اس کو اپنا رہنما تسلیم کر سکتا ہے، تو آخر کونسی چیز مانع ہے کہ ایک وہ شخص جو کل تک مسلم نہ تھا، آج محمدؐ رسول اللہ کی زندگی، انکی تعلیمات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور انکے کارنامے کو دیکھ کر انکو اپنا ہادی ورہبر نہ تسلیم کرے؟

ایسا ہی معاملہ جماعتی ضوابط (Party-discipline) کا بھی ہے۔ اگر اسلام اُن لوگوں کو جو اسکی جماعت میں شامل ہوں، اپنے کچھ ضوابط کا پابند بناتا ہے تو کیا کمیونسٹ پارٹی ان لوگوں کو جو اس میں شامل ہوں کسی ضابطہ اور کسی قاعدے میں نہیں جکڑتی؟ پھر جب بہت سے انسان کمیونزم کے اصولوں پر ایمان لانے کے بعد کمیونسٹ پارٹی کے ضوابط کی پابندی قبول کر لیتے ہیں تو آخر اسلام ہی کے جماعتی ضوابط میں کونسا ھوّا چھپا ہوا ہے کہ جو لوگ اسلام کے اصولوں کو جانچ کر ان پر ایمان لانے کے لیے تیار ہونگے انکو یہ ھوّا اپنی صورت دکھا کر بھگا دیگا؟

اس مثال سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اسلام میں خدا کی ہستی اور اسکی توحید کا اعتقاد، یا آخرت کا اعتقاد، یا پیغمبر کی ناقابل منازعت پیشوائی (Indisputable leadership) اور قرآن کے آخری منبع قانون ہونے کا اعتقاد شرطِ لازم ہونا، اور نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے ضوابط کی پابندی فرض ہونا، ہرگز کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس کے پھیلنے اور غیر مسلموں کے اسکی طرف کھنچ کر آنے میں سدِ راہ ہو۔ مابعد الطبیعی اعتقادات اور جماعتی ضوابط دوسرے مسلکوں میں بھی موجود ہیں، اور جو انسان ان مسلکوں میں اپنی زندگی کے مسائل کا حل اپنی سمجھ کے مطابق صحیح پاتے ہیں وہ ان کے عقائد اور ضوابط، دونوں کو قبول کرتے ہی ہیں، پھر کوئی وجہ نہیں اگر اسلام ان کے سامنے تمام مسائل زندگی کا بہترین حل پیش کرے، اور انکی اپنی فلاح وسعادت کا راستہ کھول کر سامنے رکھ دے تو عقائد اور ضوابط کی شرط صرف اسلام ہی کے معاملہ میں ان کے لیے رکاوٹ ثابت ہو۔

البتہ اسلام کی راہ میں ایک عظیم الشان رکاوٹ ضرور حائل ہے اور اصلی رکاوٹ وہی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس رکاوٹ کی ذمہ داری اسلام پر نہیں بلکہ اسکے پیرووں پر ہے۔ اس واقعہ سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ہندوستان کو اصلی اور خالص اسلامی حکومت، اسلامی اخلاق، اور اسلامی نظام تمدن سے لذت آشنا ہونے کا کبھی موقع ملا ہی نہیں۔ پچھلی صدیوں میں مسلمان بادشاہوں نے، مسلمان امرا نے، مسلمان حکام اور اہل کاروں اور سپاہیوں نے، مسلمان زمینداروں اور رئیسوں نے، اور مسلمان عوام نے اپنے برتاؤ سے اسلام کا جو نمونہ پیش کیا وہ ہرگز ایسا نہ تھا کہ اس ملک کے عام باشندوں کو اسلام کا گرویدہ بنا سکتا۔ بلکہ اسکے برعکس نفسانی اغراض کے لیے جو کشمکش انکے اور غیر مسلم عناصر کے درمیان مدتہائے دراز تک برپا ہوتی رہی اُس نے اسلام کے خلاف مستقل تاریخی تعصبات پیدا کر دیے۔ اس تاریخی پس منظر کے ساتھ اسلام کا جو نمونہ آج اِس زمانہ میں مسلمان اپنی انفرادی زندگی، اور جماعتی طریق کار سے پیش کر رہے ہیں وہ بھی کچھ ایسا خوبصورت نہیں ہے کہ اِس قسم کے نمونے کو دیکھ کر لوگ اُس تحریک کے عاشق ہو جائیں جسکی نمائندگی اس شان سے کی جا رہی ہو۔ خود ہی انصاف سے دیکھ لیجیے کہ انفرادی زندگی میں ایک عام مسلمان ایک عام غیر مسلم سے آخر کس چیز میں برتر نظر آتا ہے کہ لوگ اُس برتری کے منبع کی جستجو کریں؟ اس کے برتاؤ میں، اسکے اخلاق میں، اسکے معاملات میں کہاں کوئی خفیف سی چمک بھی ایسی نمودار ہوتی ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ شخص فائق تر اور پاکیزہ تر اصولوں کا پیرو ہے؟ کیا ایک مسلمان زمیندار یا "شریف" کی نخوت اصطلاحی "کمینوں" کے مقابلہ میں اپنے طبقہ کے کسی غیر مسلم "شریف" یا رئیس سے کچھ کم ہے؟ کیا ایک مسلمان تاجر یا پیشہ ور آدمی اپنے ہم پیشہ غیر مسلم سے کچھ زیادہ متدین ہوتا ہے؟ کیا ایک مسلمان حاکم یا عہدہ دار اپنے اختیارات کے استعمال میں کسی غیر مسلم ہم سر سے کچھ بہتر اخلاقی اصولوں کی پیروی کرتا ہے؟ کیا دفتروں کے مسلمان ملازم رات دن انہی تمام ذلیل طریقوں کی پیروی نہیں کر رہے ہیں جنکی پیروی انکے غیر مسلم ساتھی کرتے ہیں؟ کیا وہی جائز و ناجائز طریقوں سے اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوم کا تعصب، وہی کمینہ چالوں سے غیر قوم والوں کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کرنا، اور وہی چھوٹی چھوٹی دنیوی اغراض کے پیچھے لڑے مرنا، جسکی شکایت یہ غیر مسلموں سے کرتے ہیں، خود ان کا بھی رات دن کا مشغلہ نہیں ہے؟ پھر جب ایک غیر مسلم اسلام کے ان نمائندوں کی زندگی میں کہیں بھی کوئی فوقیت کا نشان نہیں پاتا، جب وہ انہیں بھی وہی سب کچھ کرتے دیکھتا ہے جو وہ خود کرتا ہے، اور جب وہ انہیں بھی اپنی مقاصد کے لیے لڑتے جھگڑتے، اور کشمکش کرتے دیکھتا ہے جنکے لیے وہ خود لڑتا جھگڑتا اور کشمکش کرتا ہے، تو آخر کونسی چیز اسکو اُس مسلک کی طرف مائل کرسکتی ہے جس کی نمائندگی یہ لوگ کررہے ہیں۔ بلکہ جب ایک ہی نفسانیت اور دنیا پرستی کے میدان میں وہ اور یہ برابر کے حریف ہیں تو اپنے حریفوں کے مسلک پر وہ کھلے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہی کیوں محسوس کرنے لگا؟ ایک طرف پچھلے تاریخی تعصبات اور پھر آج کی نفسانی کشمکش، کیا یہ دونوں چیزیں اسکے دل کے دروازوں پر قفل چڑھا دینے کے لیے کافی نہیں؟

انفرادی زندگی سے وسیع تر، قومی زندگی کے دائرے میں مسلمان اس وقت تک جس پالیسی پر چلتے رہے ہیں، اور آج جس پالیسی پر مُصر ہیں، بلکہ جسے اپنی حیات اجتماعی کا ضامن سمجھ رہے ہیں وہ کیا ہے؟ اصول اسلام اور مقاصد اسلام کا کہیں نام تک نہیں آتا۔ کسی خطبے، کسی تقریر، کسی ریزولیوشن میں آپ ایک فقرہ ایسا نہیں پاسکتے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ یہ لوگ اپنی اغراض اور اپنے دنیوی مقاصد کے لیے نہیں بلکہ انسانوں کی فلاح کے لیے عالمگیر کلّی اصول لیکر اٹھے ہیں اور انکی لڑائی محض اصول حق کی خاطر ہے۔ اسکے برعکس آپ یہ دیکھینگے کہ ان کے اور دوسری قوموں کے درمیان بالکل برابر کی قوم پرستانہ جنگ برپا ہے، دونوں ایک سطح پر اتر آئے ہیں، ایک ہی مرتبہ کی دنیوی اغراض کے لیے کشمکش کررہے ہیں، ایک ہی قسم کی چالیں (tactics)، زبان، اصطلاحات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اصولِ نزاع اختیار کررہے ہیں، اور سارا رونا دھونا اور لڑائی جھگڑا انہی چیزوں کے لیے ہے جنکے لیے انکے حریفوں کا رونا دھونا اور لڑائی جھگڑا ہے۔ پھر کس طرح یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ جن لوگوں سے آپ دنیوی اغراض کے لیے مساوی مرتبہ پر لڑرہے ہوں، جن سے آپ رقابت اور حریفی کا پرانا اور تازہ رشتہ رکھتے ہوں، جنکے ساتھ آپکی سیاسی اور معاشی مفادات کے لیے کشمکش برپا ہو، وہ آپ کی طرف سے کسی اصولی تحریک کی دعوت پر اسی طرح کھلے دل سے غور کرنے کے لیے تیار ہونگے جس طرح وہ اشتراکیت یا ڈیموکریسی یا کسی اور مسلک کی دعوت کے لیے تیار ہوتے ہیں؟

اس مرحلہ پر پہنچ کر ایک اور شبہ سامنے آتا ہے اور آگے بڑھنے سے پہلے اس کا صاف ہوجانا ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آخر جہاد میں بھی تو غیر مسلموں سے کشمکش اور مقاتلہ ہوتا ہے۔ اگر یہ چیز نفسیاتی اعتبار سے اسلامی تحریک کے پھیلنے میں مانع ہے تو ماننا پڑیگا کہ جہاد بھی اسلام کی راہ میں معاون ہونے کے بجائے سدِ راہ ہوتا ہے۔ پھر کیا اللہ تعالیٰ انسانی نفسیات سے بے خبر تھا کہ اس نے اپنے دین میں وہ چیز رکھی جو لوگوں کو قبول ہدایت سے روکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جہاد کی نوعیت نفسانی نزاع و مقاتلہ سے بالکل مختلف ہے، اسلیے اسکے اثرات و نتائج بھی اُس جنگ اور کشمکش کے اثرات و نتائج سے مختلف ہیں جو نفسانی اغراض کے لیے کی جائے۔ ایک لڑائی وہ ہے جو آپکے اور دوسرے شخص کے درمیان اپنے دنیوی مفاد کی خاطر ہو، اور دوسری لڑائی وہ ہے جو آپ اُس سے خود اُسی کے مفاد کی خاطر، اُسکی اپنی فلاح کی غرض سے لڑیں۔ ایک لڑائی اس بنیاد پر ہے کہ آپ کی اور اسکی ذاتی یا قومی اغراض متصادم ہیں اور دونوں اپنی اپنی اغراض کے لیے لڑرہے ہیں۔ اور دوسری لڑائی اس بنیاد پر ہے کہ آپ ایک شخص کو جو نا واقفیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی وجہ سے تباہی کے راستے پر جا رہا ہے، بچانا چاہتے ہیں اور اسی لیے لڑتے ہیں کہ تو اپنے آپ کو تباہ نہ کر۔ کیا یہ دونوں لڑائیاں یکساں ہیں اور دونوں کے نتائج مساوی ہو سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ پہلی قسم کی لڑائی میں دونوں کے درمیان یا نفرت و عداوت بڑھیگی یا مصالحت بھی ہوئی تو منافقانہ اور خود غرضانہ ہوگی۔ یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے کہ کبھی ایک فریق دوسرے فریق کی دنیوی اغراض پر ایمان لا کر اس کا ولی حمیم بن جائے، کیونکہ ایک شخص یا قوم کی دنیوی اغراض وہ چیز ہیں ہی نہیں جن پر دوسرے شخص یا قوم کے ایمان لانے کا تصور بھی کیا جا سکتا ہو۔ بخلاف اسکے دوسری قسم کی لڑائی میں اول اول تو فریق مقابل آپ پر یہ شبہ کریگا کہ شائد اندر کوئی چھپی ہوئی غرض ہوگی اور جب تک یہ شبہ رہیگا وہ آپ سے لڑتا بھی رہیگا، مگر جب آپکے طرزِ عمل سے اس پر ثابت ہو جائیگا کہ واقعی میرا حریف میرا دشمن نہیں ہے بلکہ سچا خیر خواہ ہے اور اپنے بھلے کے لیے نہیں بلکہ میرے ہی بھلے کے لیے لڑ رہا ہے، تو عین لڑائی کے دوران میں اسکے دل کی کایا پلٹ ہو جائیگی اور وہ آپکا دشمن بننے کے بجائے آپ کا عاشق بن جائیگا۔ پھر ایک دوسرا عظیم الشان فرق دونوں لڑائیوں میں یہ ہے کہ دنیوی اغراض کی جنگ میں تو آپکی لڑائی اُس پوری قوم سے ہوگی جسکی اغراض سے آپکے اغراض متصادم ہیں، حتیٰ کہ اسکا ایک ایک فرد آپ کی قوم کے ایک ایک فرد کا حریف مقابل بن جائیگا۔ مگر دوسری قسم کی لڑائی جو محض اصولِ حق کی خاطر لڑی جائے اُس میں ڈٹ کر آپکا مقابلہ صرف وہ لوگ کرینگے جو پیشوائی اور خدائی کی گدّیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں یا ظالمانہ طریقوں سے ناجائز فائدے اٹھا رہے ہیں۔ رہے عوام تو وہ صرف اس وقت تک لڑینگے جب تک اُن پر ائمۂ کفر کی ساحری کا طلسم قائم رہیگا۔ اور جونہی اُن پر یہ منکشف ہوا کہ آپ کی لڑائی تو ظالموں کے ظلم کا خاتمہ کرنے اور انکے پھندے کاٹنے کے لیے ہے اور اس لڑائی میں اُن کا مفاد نفس پرست پیشواؤں، جابر بادشاہوں اور رئیسوں، اور مردم خور سرمایہ داروں کے مفاد کی عین ضد ہے، تو فوج در فوج وہ آپ کی طرف ٹوٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر آئینگے اور میدان میں وہ سرداران کعزو یعنی تنہا رہ جائینگے جو مغلوب و مقہور ہو کے بغیر کم ہی راہ راست پر آتے ہیں - یہی صورت ابتدائے اسلام میں عرب، ایران اور شام میں پیش آئی تھی -

پس یہ گمان کرنا کہ نفس کشمکش اور نفس مقاتلہ کسی تحریک کے پھیلنے میں سدِ راہ ہوتا ہے بالکل غلط ہے - اسکے سدِ راہ ہونے اور معاون راہ بننے کا انحصار بالکلیہ آپکے مقاصد جنگ پر ہے - آپ اپنے لیے لڑینگے تو اُس تحریک کے لیے پیش قدمی کے تمام راستے بند کر دینگے جسکے آپ نمائندہ سمجھے جاتے ہیں - اور اگر بے لاگ اور خالص نیت کے ساتھ محض اپنی تحریک کے اصولوں کے لیے لڑینگے تو آپ کی لڑائی مجرب عمل تسخیر ثابت ہوگی -

---

اب اصل مبحث کی طرف پھر رجوع کیجیے - اسلامی تحریک کی راہ میں ایک کاوٹ تو یہ ہے جسکا اوپر ذکر ہوا - اور دوسری کاوٹ وہ جامد اور بے روح مذہبیت ہے جسکو آج کل اصل اسلام سمجھا جا رہا ہے - اس غلط مذہبیت کا پہلا بنیادی نقص یہ ہے کہ اس میں اسلام کے عقائد اور عبادات کا کوئی ربط اجتماعی نظام اور کاروبار حیات دنیا سے قائم نہیں رہا ہے - اسلام کے عقائد محض ایک دھرم (Religion) کے مزعومات ( ) بنا کر رکھ دیے گئے ہیں، حالانکہ وہ ایک مکمل فلسفۂ اجتماعی اور نظام تمدن کی منطقی بنیاد ہیں - اور اسی طرح اسکی عبادات محض پوجا پاٹ بنا کر رکھ دی گئی ہیں حالانکہ وہ اُن ذہنی اور اخلاقی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم کرنے کے وسائل ہیں جن پر اسلام نے اپنا نظام اجتماعی تعمیر کیا ہے - اس عملِ تحریف کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگوں کی سمجھ میں کسی طرح یہ بات نہیں آتی کہ آخر ایک سیاسی، معاشی اور تمدنی لائحۂ عمل کو چلانے کے لیے اِن عقائد اور عبادات کی ضرورت ہی کیا ہے - دوسرا بنیادی نقص اس مسخ شدہ مذہبیت میں یہ ہے کہ اس میں اجتہاد کا دروازہ بند ہے جسکی وجہ سے اسلام ایک زندہ تحریک کے بجائے محض عہد گذشتہ کی ایک تاریخی تحریک بن کر رہ گیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اسلام کی تعلیم دینے والی درسگاہیں آثار قدیمہ کے محافظ خانوں میں تبدیل ہوگئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اجنبی لوگ اس چیز کو دیکھ کر زیادہ سے زیادہ تاریخی ذوق کی بنا پر اظہار قدر شناسی تو کر سکتے ہیں مگر یہ توقع ان سے نہیں کی جا سکتی کہ وہ حال کی تدبیر اور مستقبل کی تعمیر کے لیے اُس سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کرینگے۔ تیسرا اہم نقص اس میں یہ ہے کہ جزئیات کی ناپ تول، مقداروں کے غیر منصوص تعیّن، اور روح سے بڑھ کر مظاہر پر مدارِ دین داری رکھنے کی بیماری اس میں حد سے بڑھ گئی ہے، اور وہ غیروں کی تالیف تو کیا کریگی اُلٹی اپنوں کی تنفیر کا سبب بن رہی ہے۔ اس غلط مذہبیت کے علمبرداروں کی زندگی دیکھ کر اور اُنکی باتیں سن کر آدمی اس سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ انسان کی ابدی فلاح و خسران کا مدار کیا اِنہی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر ہے جن پر یہ لوگ اتنا زور دیتے ہیں؟

یہ ہیں وہ اصلی رکاوٹیں جو اسلام کو بحیثیت ایک تحریک کے اُٹھنے اور پھیلنے سے روک رہی ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ لوگ اِن رکاوٹوں کا تجزیہ کر کے انکی حقیقی نوعیت و کیفیت کو سمجھنے اور انہیں دور کرنے کی فکر نہیں کرتے، بلکہ محض سرسری نظر ہی میں یہ دیکھ کر کہ اسلام کی راہ میں شدید رکاوٹیں حائل ہیں، اِن سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں، اور پھر ان سے بچ کر اسلام کی "خدمت" کرنے کے لیے عجیب عجیب نئے راستے نکالتے ہیں۔ مثلاً:

ایک راستہ بعض لوگوں نے یہ تجویز کیا ہے، اور وہ اس پر بڑی سنجیدگی سے گفتگو کرتے ہیں کہ اسلام کے مجموعی نظام میں سے محض اسکے معاشی و سیاسی اصولوں کو لے لیا جائے اور انہی کی بنیاد پر ایک پارٹی ایسی بنائی جائے جس میں شامل ہونے کے لیے توحید، آخرت، قرآن، رسالت، کسی چیز پر بھی ایمان لانے کی ضرورت نہ ہو اور نہ عبادات کی بجا آوری اور احکام شرعیہ کی پابندی ضروری ہو۔ حالانکہ یہ بدترین اور غیر معقول ترین تجویز ہے جس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ کوئی صاحب نظر آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی یہ خیال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں کر سکتا کہ کسی اجتماعی نظریہ اور لائحۂ عمل کو اُسکے بنیادی فلسفے، اُسکے نظامِ اخلاق اور اسکے تعمیرِ سیرت کرنیوالے ارکان سے الگ کر کے چلایا جاسکتا ہے۔ اللہ کی حاکمیت کا تصور نکال دینے کے بعد اسلام کا نظامِ سیاسی آخر ہے کس چیز کا نام؟ اور اگر قرآن کو ماخذِ قانون اور محمدؐ رسول اللہ کو رعیت (انسان) اور بادشاہ (اللہ) کے درمیان منزول احکام کا واحد مستند ذریعہ نہ مانا جائے تو کیا اسلامی اسٹیٹ کی تعمیر ہوا پر کی جائیگی؟ پھر وہ کونسا نظامِ تمدن و سیاست ہے جو کسی نظامِ اخلاق کا سہارا لیے بغیر قائم ہو سکتا ہے؟ اور کیا اللہ کے سامنے انسان کی ذمہ داری جوابدہی کا تخیل نکال دینے کے بعد اس نظامِ تمدن و سیاست کے لیے کوئی اخلاقی سہارا باقی رہ جاتا ہے جس کا نقشہ اسلام نے پیش کیا ہے؟ کیا اس نظام کو آپ مادہ پرستانہ اخلاقیات کے بل پر ایک دن کے لیے بھی قائم کر سکتے ہیں؟ پھر وہ خاص قسم کی انفرادی سیرت اور جماعتی زندگی جو اس نظامِ تمدن و سیاست کے لیے درکار ہے نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ کے سوا اور کس ذریعہ سے پیدا ہو سکتی ہے؟ اور وہ نہ ہو تو یہ نظام چل کہاں سکتا ہے؟ پس یہ غایت درجہ کا افلاسِ فکر ہے کہ کوئی شخص محض شاخوں کا حسن دیکھ کر کہنے لگے کہ آؤ جڑ کے بغیر ان شاخوں ہی سے درخت قائم کریں۔

دوسری راہ فرار جو اپنی رکاوٹوں کی صعوبت سے مرعوب ہو کر بعض لوگوں نے نکالی ہے، وہ یہ ہے کہ پہلے ہندوستان کو انگریزی امپیریلزم سے آزاد کر کے یہاں جمہوری حکومت قائم کرنے پر سارا زور صرف کیا جائے، پھر اُس جمہوری نظام میں بتدریج اسلامی طرز کا انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی جائے۔ شکست خوردگی کا برا ہو۔ یہ آدمی کے دماغ کو کس بری طرح مختل کر دیتی ہے۔ اس تجویز کو ذرا تحلیل کر کے تو دیکھیے کہ نتیجہ کیا برآمد ہوتا ہے۔ اسلامی طرز کا انقلاب جو آپ آخر کار برپا کرنا چاہتے ہیں اُس کا ماحصل تو یہی ہے نا کہ مالک الملک اللہ کے سوا اور کوئی نہ تسلیم کیا جائے اور انفرادی و اجتماعی زندگی صرف اللہ کے حدود کی پابند ہو اور حکومت وہ قائم ہو جو اللہ کے سامنے جواب دہ ہو۔ اسی کا نام دین اللہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اس نصب العین تک پہنچنے کے لیے آپ راستہ کیا اختیار کرتے ہیں؟ یہ کہ پہلے مالک الملک انگریز کے بجائے خود باشندگان ملک قرار پائیں، انفرادی واجتماعی زندگی پر حدود انگریز کے بجائے حدود جمہور کا تسلط قائم ہو اور حکومت برٹش پارلیمنٹ کے بجائے جمہور کے سامنے جواب دہ ہو، یعنی دوسرے الفاظ میں دین انگریز کی جگہ دین جمہور قائم ہوجائے۔ یہ دین جب زمین میں جڑ پکڑ لے گا تب آپ دین اللہ کو قائم کرنے کی جدوجہد شروع کرینگے۔ سوال یہ ہے کہ مکہ جانے کے لیے آخر یہ ٹوکیو کا راستہ اختیار کرنے کی ضرورت جناب کو کس لیے پیش آئی؟ کونسی چیز آپکو براہ راست مکہ کی طرف پیش قدمی کرنے سے روکتی ہے کہ پہلے آپ ٹوکیو تشریف لے جائینگے اور پھر وہاں سے مکہ کا قصد فرمائینگے؟ یہ ظاہر ہے کہ دین جمہور صرف اسی صورت میں دین انگریز کو ہٹا کر اسکی جگہ لے سکتا ہے جبکہ عوام الناس کے ذہن میں خود اپنے مالک الملک ہونے کا عقیدہ اور عملاً مالک الملک بن جانے کا ارادہ شدت کے ساتھ جڑ پکڑ لے۔ بخلاف اس کے دین اللہ صرف اس صورت میں قائم ہوسکتا ہے جبکہ عوام الناس ہر دوسرے کی حاکمیت تسلیم کرنے سے بھی انکار کریں، خود اپنی حاکمیت کے دعوے سے بھی دست بردار ہوجائیں، اور صرف اللہ کی حاکمیت کے آگے برضا ورغبت سر جھکا دیں۔ اب ایک ذی عقل آدمی، جسکے ہوش وحواس درست ہوں، کس طرح اس حماقت کا ارتکاب کرسکتا ہے کہ اس کا مقصد اصلی تو ہو دین اللہ کا قیام، اور اسکے لیے عملی تدبیر وہ یہ اختیار کرے کہ پہلے عوام الناس کے دل ودماغ پر خود اپنی حاکمیت کا عقیدہ اور ارادہ اتنی قوت کے ساتھ بٹھا دے کہ دین انگریز کی جڑیں اسکے زور سے اکھڑ جائیں اور دین جمہور کی جڑیں زمین میں جگہ پکڑ لیں؟ آخر دین اللہ کے نقطۂ نظر سے انگریز کی حاکمیت اور خود باشندگان ملک کی حاکمیت کے درمیان کیا فرق اور کیا وجہ ترجیح ہے؟ آخر کس معنی میں حاکمیت انگریز کی جگہ حاکمیت جمہور کا تمکن دین اللہ کے تمکن میں مددگار ہوسکتا ہے؟ اور وہ شخص جو درحقیقت پوری سچائی کے ساتھ اللہ کے مالک الملک ہونے پر ایمان رکھتا ہو آخر کس دل سے یہ گوارا کرسکتا ہے کہ اپنے ایمان کے خلاف عوام الناس میں خود اپنے مالک الملک ہونے کا عقیدہ پھیلاتا پھرے؟

باقی صفحہ ۳۹۹

© rasailojaraid.com